حجیت حدیث پر ایک نظر

ناظرین کرام یہ بات ظاہر ہے کہ ہم نور سے جس قدر قریب ہوں گے۔ اسی قدر روشنی زیادہ ہوگی۔ اور تاریکی نیست نابود ہوگی۔ لیکن ہم رفتہ رفتہ جس قدر بھی چراغ سے دور فاصلے پر چلے جائیں گے۔ ظلمت کے پردے حائل ہوتے ہوتے ضیاء کو بالکل ختم کردینگے۔ یہانتک کہ نور کا ایک دھندلا سا خاکہ رونما ہوگا۔ اور اردگرد کی تمام چیزیں آنکھوں سے اوجھل ہوجائیں گی۔ یہی حال ہے شمع ہدایت کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو نور ایمانی تھا وہ مرور ایام کے باعث اب باقی نہیں رہا۔ ضلالت وجہالت کے تاریک پردوں نے اسلامی تعلیمات کو بدل دو بدل کردیا ہے۔ خود آنحضورؐ کے زمانہ اور آپ کی وفات کے متصل کے زمانے کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو فرق بین نظر آئیگا۔ چنانچہ ایک صحابیؓ کا ارشاد ہے فَالْنفضنا عن ایدینا التراب حتی انکرنا قلوبنا۔ "ہم نے ابھی آپ کے دفن کرنے کے بعد ہاتھوں سے مٹی بھی دور نہ کی تھی کہ ہمارے دل بے نور معلوم ہوتے تھے۔"

جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ کیفیت تھی۔ جنھوں نے اپنی عمر کا اکثر حصہ شمع رسالت وہدایت پر پروانہ وار نثار کردیا تھا۔ اور ہمیشہ برکات اور فیوض سے اپنے دامنوں کو مالا مال رکھتے تھے۔ تو خود خیال کیجئے کہ ہمارے دلوں اور ہمارے ایمانوں میں کس قدر روشنی ہوگی۔ اور خاص کر ایسے دور میں جب دہریت اور کفروالحاد کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر اسلامی تعلیمات کو خس وخاشاک کی طرح بہالیجانے کی پیہم کوشش عمل میں لارہے ہوں۔ اور ان کو معدوم کرنے کیلئے کوئی تجویز بھی فروگذاشت نہ کی گئی ہو۔ بہت ہی مشکل ہے کہ دین اسلام کا صحیح فوٹو جو سلف صالحین کے زمانے میں پایا جاتا تھا اسوقت باقی رہے۔ "جدید تہذیب وتمدن" اور "نئی روشنی" اور موجودہ حریت فکر اور آزاد خیالی کے دور میں لیے مذاہب وادیان معرض وجود میں آرہے ہیں جن کا اصل الاصول ہی یہ ہے کہ "مذہب اسلام ترقی مدارج کیلئے سدراہ ہے" لہذا اس کے قیود سے بے نیاز ہوجانا چاہئے۔

ان خود ساختہ مذاہب میں اہل قرآن حریت قیود میں سب سے زیادہ گوئے سبقت لیگیا ہے۔ جو ادلہ اربعہ (چار دلیلیں کتاب، سنت، اجماع، قیاس) کو تو کجا۔ سوائے کتاب اللہ کے کسی کو قابل حجت نہیں مانتے۔ ہم تو اجماع وقیاس سے انکار کرتے تھے اور صرف اللہ اور رسول اللہ جو کلمہ توحید کے دو جزء ہیں کے اقوال شریفہ کو اپنے لئے مشعل راہ سمجھتے تھے لیکن انھوں نے ایسی نرالی چال چلی۔ کہ اسلامی کلمہ توحید کے دو رکنوں میں سے ایک کے کلام (کتاب اللہ) کو لے لیا اور دوسرے کے کلام (حدیث شریف) کو چھوڑ دیا۔ تاکہ "مسلمان" بھی رہیں۔ اور اسلامی قیود سے سبکدوش بھی ہوجائیں ؎

زاہد کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد
جو دنیا بھی چھوڑ دی ہے تو عقبی بھی چھوڑ دے

ان کی شوخی طفلانہ کا راز یہ ہے۔ کہ مذہب اسلام کی گرفت صرف حدیث وسنت سے ہے۔ کیونکہ قرآن مجید ایک اصولی کتاب ہے۔ اس میں قوانین کلیہ مذکور ہیں۔ اور مسائل کو اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ تمام جزئیات اور جملہ تشریحات کا بیان اس میں نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہوسکتا تھا۔ قرآنی آیات کی تشریح کا دارومدار حدیث رسول اللہ پر ہی ہے۔ کیونکہ رموز مملکت خویش خسرواں دانند۔ اللہ کے کلام کی تشریح رسول اللہ ہی کرسکتے ہیں ان کی تعلیم کے بغیر یقینی طور پر کوئی بھی اس کی صحیح تفسیر وتاویل نہیں

رسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ انبیاء کا کوئی بشر معلم نہیں ہوتا۔ رسولوں کا معلم خود خدا ہوتا ہے تاکہ بعثت کے بعد اس کے کلام کو سمجھ سکیں اور خدائی کلام کے مقصد و مدعا اور جملہ جزئیات و فروعات کو مستنبط کر سکیں۔ پس انھوں نے حدیث کو ناقابل صحت و حجت اور غیر واجب العمل قرار دے دیا۔ تاکہ مذہب کی گرفت بالکل معمولی ہو جائے۔ اور اسلام چند ایک عقائد اور عبادات و معاملات ہی کا نام رہ جائے۔ چنانچہ بعض جدید مفسرین کے خیال سے صرف تین نمازیں ہیں۔ اور بعض کے نزدیک نماز صرف دعا اور توجہ قلبی کا نام ہے جو سیر و تفریح کرتے وقت سر نزانو کرنے سے بھی ادا ہو سکتی ہے۔ اس کھلی ہوئی غلطی کو دیکھکر میں آپ کی خدمت میں چند سطریں سپرد قلم کرتا ہوں تاکہ آپ اس فتنہ سے محفوظ رہیں۔

رسول کی شان

لیکن قبل ازیں کہ آپ کے سامنے حجیت حدیث کے دلائل بیان کروں۔ صرف چند لفظوں میں تمہیداً رسول کی شان بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جو فریقین میں مسلم ہے اس کے بعد معاملہ صاف ہو جائے گا۔ رسول اللہ کی نسبت ہم خاکم بدہن کبھی بھی یہ لفظ نہیں کہہ سکتے کہ آپ محض ایک چٹھی رساں کی طرح تھے۔ یعنی فرامین خداوندی کو بغیر کسی تبیین و تشریح، افہام و تفہیم کے صرف بندوں تک پہنچا دینا ہی آپ کا کام تھا۔ بلکہ آپ ایک طبیب اور مسیح کی حیثیت رکھتے تھے۔ عقائد۔ عبادات۔ معاملات۔ اخلاق غرضیکہ ہر دینی اور دنیوی امر کے آپ ہیرو اور رہنما تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ (پ ۲۸ س جمعہ) ترجمہ خدائے قدوس کی یہ شان ہے کہ اس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی جیسا رسول بھیجا۔ جو قرآنی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے ظاہر و باطن کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور کتاب اللہ اور علم و عرفان کی ان کو تعلیم دیتا ہے۔

مندرجہ بالا آیت شریف میں نبی کا نصب العین تلاوت قرآن ہی نہیں ہے بلکہ آپ کو معلم اور طبیب بتایا گیا ہے۔ اگر آپ کی ذمہ داری صرف پیام بری اور پوسٹمینی کی تھی۔ تو وہ تلاوت آیات پہ ختم ہو گئی۔ پھر تطہیر اور تعلیم کتاب و حکمت کی کیا ضرورت تھی اور ایک اور امر قابل غور ہے وہ یہ کہ کتاب اللہ کی بھی زبان عربی اور مرسل الیہم بھی عربی۔ جب دونوں کی زبان عربی تھی تو پھر تعلیم کی کیا ضرورت تھی۔ اپنی زبان کو ہر ایک سمجھ سکتا ہے۔ اس کے افہام کی چنداں ضرورت نہیں پس صاف معلوم ہوا۔ کہ آپ محض پیامبر نہ تھے بلکہ اس سے بہت بڑھکر تھے۔ جس کو قرآن مجید نے خود ہی بیان کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پ ۲۱ س احزاب) رسول اللہ کی ذات گرامی تمہارے لئے نمونہ عمل ہے۔ اگر کتاب اللہ ہی ہمارے لئے لائحہ عمل ہوتی تو آپ کے وجود مبارک کو نمونہ عمل کیوں کہا عرف عام میں نمونہ عمل (اسوہ) کا استعمال شائع ذائع ہے۔ جس کو جملہ حرکات و سکنات نشست و برخاست قول و فعل خواہ وہ دل سے تعلق رکھتے ہوں۔ یا دوسرے اعضاء سے کی اتباع اور واجب العمل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ پ ۳ س آل عمران۔ اے نبی تو لوگوں کو کہہ دے اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ یہی محبت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس آیت میں نبی کی فرمانبرداری تقرب الٰہی کا مسلک قرار دیا گیا ہے اگر محض قرآن ہی کی اطاعت مقصود بالذات ہوتی۔ تو صاف طور صراحۃً قرآن کا لفظ مذکور ہوتا۔ جیسا کہ باقی مقامات میں اطاعت

ن کی آیات میں صراحتہً قرآن کا لفظ مذکور ہے۔ پس صاف معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ اور چیزیں بھی ہیں۔ جن کے سامنے سر نیاز خم کرنا لابدی ہے۔ وہ رسول اللہ کے اقوال و افعال ہیں۔ جن کو احادیث کے اسم سے مسمی کیا جاتا ہے اور اسی طرح ان مجید میں متعدد مقام پر رسول کی اطاعت کو فرض قرار دیا گیا ہے سورۂ نسار کی آیات ان لوگوں پر حجت ہیں۔ جو روز ن کی طرح حجیت کی ناطق ہیں۔

آن اصولی کتاب ہے

اس جگہ ایک اور بات بھی قابل الذکر ہے۔ جس کی طرف پہلے اشارہ کر چکا ہوں۔ وہ یہ کہ قرآن اصول و قوانین کلیہ کا مجموعہ ہے۔ احصار جزئیات کی نہ ہی گنجائش تھی۔ اور نہ ہی قرآن کے ذکر کے درپے ہے۔ پس اس اجمال کی تفصیل۔ ... اور ان اصول کی فروع ذات پاک محمدی مجسم کتاب ہے۔ جس کا ہر قول ل متن قرآنی کی تفسیر و شرح ہے۔ اور قرآن کی تفسیر و وضاحت نبی کے بغیر ناممکن ہے چنانچہ سورہ نمل میں ارشاد ہے۔

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمْ (پ۱۴ س نمل) وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ (پ۱۴ س نمل)

، اے نبی تجھ پر کتاب اتارنے کی غرض و غایت یہی تھی۔ تاکہ تو اس کو بیان کردے۔ حالانکہ وہ لوگ جن کو سب سے پہلے قرآن ذریعہ مخاطب کیا گیا سب عربی تھے۔ پھر بھی نبی علیہ السلام کو کتاب کی توضیح و بیان کرنے کیلئے مبعوث فرمایا۔ اور یہ بیان بھی کا کوئی نفسی قول نہیں ہوتا تھا بلکہ خدا نبی کے ذریعہ متکلم تھا۔ چنانچہ والنجم میں ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (پ۲۷ س نجم) ترجمہ نبی کا تشریعی قول وحی الٰہی ہے۔ اور لسان رسول اللہ کا مبدء تعبیر ہے۔ نبی اپنی طرف سے کسی چیز کا ن نہیں ؎ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود۔ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود۔

ان آیات سابقہ سے معلوم ہوا۔ کہ قرآن میں ایسے رموز و نکات ہیں جن کی وضاحت و بیان کیلئے رسول کی ضرورت ، اور اس وضاحت و بیان کا دوسرا نام حدیث و سنت ہے۔ اور جیسے قرآن واجب العمل ہے اسی طرح اس کا بیان (حدیث و ت) جو اس کا ایک تشریحی جزو ہے وہ بھی واجب العمل۔ اور قرآن مجید کے معنی لغتی سمجھ لینے سے اس کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک کی وضاحت (حدیث) مد نظر نہ ہو۔ چنانچہ ابن ماجہ کے شروع میں روایات آتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی واقعہ کا رہ ہوا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اس واقعہ کا ظہور علم کے معدوم ہو جانے پر ہوگا۔ ایک صحابی نے تعجب سے کہا کہ کیا علم بھی فنا سکتا ہے۔ جبکہ ہم اس کی تعلیم میں کمربستہ ہیں اور اسی طرح ہماری نسلیں در نسلیں اس کی تعلیم و تدریس اور اشاعت میں ہمارے تھ شانہ بشانہ ہونگی۔ اور مردانہ وار ابدالآباد تک اس کی ترویج کرتی رہیں گی۔ نبی علیہ السلام نے یہود و نصاریٰ کی مثال دیکر ں کی رائے کا جواب دیدیا۔ اور فرمایا کہ ظاہری تلاوت یہاں مقصود نہیں۔ دیکھو یہود و نصاریٰ توراۃ انجیل کو پڑھتے ہیں اس کے الفاظ کے معانی کے بھی عالم ہیں۔ مگر اس کے باوجود پھر بھی وہ علم سے ناآشنا ہیں۔ کیونکہ انبیار کی تعلیمات اور انکے رکٹر حیات کو انھوں نے پس پشت ڈالدیا۔ اسی طرح سینکڑوں آیات اور تاریخی واقعات ہیں۔ جن سے عدم تخصیص قرآن ن طریق سے معلوم ہو جاتی ہے۔

حجیت حدیث پر قرآن کی شہادت

چنانچہ خود قرآن ڈنکے کی چوٹ حدیث کی حجیت پر ناطق ہے سورہ احزاب میں ہے مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (پ۲۲- س احزاب) اللہ اور نبی کے فیصلہ سے کسی مرد و عورت کو سرتابی کی گنجائش نہیں اور سورہ حشر میں ہے مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ترجمہ نبی جو کچھ تمہیں دے اس کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ اور جس سے منع کرے اس سے بال برابر بھی آگے نہ بڑھنا۔ ان آیات سے صاف طور پر استدلال کر سکتے ہیں کہ نبی کا تمام تر کام خدائی روشنی میں ہوتا تھا۔ پس اس کا ہر قول و فعل حجت ہے۔ نیز ان آیات کو قرآن کے ساتھ خاص نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اصول کا قاعدہ ہے المطلق یجری علی اطلاقہ مطلق کو ہم خاص نہیں کر سکتے۔ مگر جب کوئی قرینہ صارفہ ہو، تو اسوقت تخصیص ہو سکتی ہے۔ اور یہاں کوئی مخصص نہیں۔ کیونکہ محض قرآن کا حجت ہونا خود نظری ہے اور کسی دلیل سے اسکا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اور جب نبی کا فیصلہ اسوقت کیلئے کارآمد ہو سکتا ہے۔ تو آنے والے زمانے کیلئے بھی حجت کافی ہو سکتا ہے جیسا کہ استاد کی شاگرد کو تعلیم وقتی نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ مفید ہو سکتی ہے۔

منکرین حدیث کے اعتراضات اور دلائل کے جوابات

نصوص قرآنی کے علاوہ احادیث صحیحہ بھی عدم تخصیص قرآن پر دلالت کرتی ہیں مگر مخالف کیلئے چونکہ حجت نہیں۔ اسواسطے اس سے پہلوتہی کر کے ان کے اعتراضات اور ان کے دلائل کا جواب درج کیا جاتا ہے تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ ذیل میں چند روایات صحیحہ اور ضعیفہ جن سے یہ لوگ اکثر استدلال کرتے ہیں۔ ان کے جوابات درج کئے جاتے ہیں۔ سب سے بڑی دلیل یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔ لَا تَكْتُبُوْا عَنِّیْ فَمَنْ كَتَبَ عَنِّیْ غَیْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْیَمْحُهُ۔ ترجمہ مجھ سے کوئی چیز بھی نہ لکھو۔ جو آدمی مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھے اس کو چاہئے کہ اس کو مٹا دے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حدیث و سنت قابل حجت ہوتی تو آپ اس کے لکھنے سے منع نہ فرماتے۔ لیکن یہ مطلب سراسر غلط ہے اس کے دو وجوہ ہو سکتے ہیں اول یہ کہ کسی چیز کی کتابت کی مخالفت اس کے نفاذ کے کیلئے مانع نہیں ہو سکتی۔ اور قلمبند نہ کرنے سے اس کا غیر معتبر ہونا لازم نہیں آتا۔ کتابت اور چیز ہے دلیل ہونا دوسری چیز، خصوصاً جبکہ مخالفت صرف وقتی تھی نہ کہ دائمی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شروع اسلام میں جبکہ کتابت کا چرچا نہیں تھا۔ اسوقت اگر احادیث اور قرآن دونوں کو لکھنے کی اجازت دیدی جاتی تو اغلب تھا کہ قرآن اور حدیث کی عبارتیں خلط ملط ہو جائیں۔ اور قرآن محفوظ نہ رہتا یہی وجہ ہے کہ جب کتابت کا رواج ہو گیا اور آپ کو دونوں میں اختلاط ہو جانے کا احتمال باقی نہ رہا۔ اور آپ نے سمجھ لیا کہ لکھنے والے قرآن و حدیث کی عبارات میں پوری طرح امتیاز کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تو کتابت حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بخاری و مسلم کی روایات سے ظاہر ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی کتابت حدیث پر کفار نے اعتراض کیا کہ نبی مقتضیات بشریت کی وجہ سے غیظ و غضب میں آکر کلام بھی کر دیتا ہے اور تم اس کو بھی لکھنا شروع کر دیتے ہو۔ رسول علیہ السلام نے کفار کا اعتراض سنکر ابن عمر کو دوبارہ تلقین کتابت کی اور ارشاد فرمایا۔ کہ میری زبان حق گو ہی ہے۔ ہزل و افترا میرے لئے محال ہے۔ اور خود فتح مکہ کے موقعہ پر ابو شاہ یمنی کی خواہش کے مطابق صحابہؓ سے حج کے احکام لکھوا کر اسکو دیے۔ اسی طرح متعدد واقعات ہیں اور خود اہل قرآن کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بہت سی احادیث کے مجموعہ کو جلا دیا تھا۔ اگر کتابت حدیث کا وجود ہی نہیں تھا تو یہ مجموعہ کہاں سے آیا؟ پس ذرا خدا کے ڈر سے سوچو آپ کے بعض دلائل بعض کی تردید کرتے ہیں۔ اور باطل عقیدہ رکھنے والوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ پس آپ کا طریق استدلال بالکل بے سروپا ہے کیونکہ معلوم ہو گیا کہ یہ ممانعت

ایک خاص مصلحت کی بنا پر وقتی چیز تھی۔ اور ثانیاً یہ کہ کتابت کی ممانعت سے یہ کب لازم آتا ہے کہ حدیث حجت شرعی نہیں۔

(۲) دوسری دلیل یہ کہ تذکرۃ الحفاظ میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے احادیث کا مجموعہ منگوا کر جلا دیا تھا۔ اور لوگوں کو احادیث کے بیان کرنے سے روکتے تھے۔ یہ دلیل بالکل ناقابل استدلال ہے جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے باغ فدک حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ کی ملکیت میں نہیں دیا تھا۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء کے ترکہ میں میراث نہیں جاری ہوتی بلکہ اس میں سب حقدار ہیں۔ ہاں سالانہ وظیفہ اہل بیت کو بیت المال سے برابر دیا جایا کریگا۔ اور نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد دفن کی جگہ کے تعین میں بہت زیادہ اختلاف ہو گیا تھا تو حضرت ابوبکرؓ نے فوراً کھڑے ہو کر نبی علیہ السلام کی حدیث پڑھکر تمام اختلاف کو فرو کر دیا۔ اور فرمایا میرے نبیؐ کا ارشاد ہے کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔

اور ابوبکر صدیقؓ کا خلیفہ ہونے کے بعد پہلا خطبہ اتنا دردناک اور المناک ہے کہ مخالفین کے دلائل بالکل ضعیف ہو جاتے ہیں۔ آپ نے حمد وثنا اور صلوٰۃ کے بعد فرمایا۔ اے لوگو آپ کی زمام حکومت کا میں مالک ہوں۔ مجھے آپ پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ جبتک کتاب اللہ اور حدیث وسنت سے میں رطب اللسان ہوں تب تک میری اطاعت واجب ہوگی اور جب ذرا سا بھی اس کے خلاف حکم کروں تو بغاوت تم پر لازم ہوگی۔ یہ واقعات اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ حدیث کو حجت شرعیہ مانتے تھے۔ پس واقعات تاریخیہ کی روشنی میں ذرا دیکھو کہ ابوبکرؓ کی تعلیمات کس قسم کی تھیں۔ بھلا ابوبکرؓ میں جرأت ہو سکتی ہے۔ کہ رسولؐ کی آواز کے خلاف آواز اٹھائے۔ آپ ان کے حالات زندگی کو دیکھیں۔ ہجرت کے وقت مصائب برداشت کرنے کا اندازہ کریں۔ جنگوں میں مالی امداد کو مدنظر رکھیں۔ ابوبکرؓ کی رسول اللہ پر قربانیاں تمام امت کی قربانیوں سے بڑھکر ہیں۔ ایک کم رتبے کا صحابی بھی سولی پر چڑھنے کے وقت بھی رسول کی شان میں کوئی لفظ نہیں کہہ سکتا، چہ جائیکہ ابوبکرؓ اور وہ بھی منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد نبی علیہ السلام

اور پھر ذرا غور تو کرو کہ امام ذہبی جو تذکرۃ الحفاظ کے مصنف ہیں۔ خود ان روایات کو نقل کرتے ہیں لیکن حدیث وسنت کو حجت مانتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے متعلق بھی سنا جاتا ہے کہ وہ حدیث کے منکر تھے۔ لیکن دشمن کی آنکھ اچھی چیز کو بری طرح دیکھتی ہے۔ آپ تو کہتے ہیں۔ حدیث رسولؐ کو نظر انکار سے دیکھتے تھے لیکن میرے نزدیک رسول اللہؐ کے علاوہ وہ تو ابوبکرؓ کے فیصلہ کو بھی حجت مانتے تھے۔ چنانچہ ایک دن خطبہ کے دوران میں ارشاد فرمایا۔ جسکا خلاصہ یہ ہے۔ اے لوگو مجھ سے پہلے میرے دو بزرگ (رسولؐ اللہ اور ابوبکرؓ) گذر چکے ہیں۔ پس میں اگر ان کے طریق کار سے کوئی علیحدہ روش اختیار کرونگا تو اس میں منفرد سمجھا جاؤنگا۔ اس واسطے یہ دونوں طریق میرے لئے لائحہ عمل ہیں۔

اور فیصلہ کرتے وقت کتاب اللہ کو مقدم کرتے۔ اس کے بعد سنت رسولؐ کو۔ بعد ازاں خلیفہ اول کے فیصلوں کو جو حدیث وسنت کے مطابق تھے علاوہ ازیں تمام صوبوں کے قاضیوں کے نام خطوط ارسال کئے جسمیں سنت نبوی سے کتاب اللہ کے بعد فیصلہ کرنیکا حکم دیا۔ اسی طرح ہزارہا واقعات ہیں جو ہمارے لئے سند ہو سکتے ہیں۔ مسائل واحکام میں سنت نبوی پر عمل کرنے کے علاوہ بعض ایسے مقامات پر بھی جہاں بظاہر کوئی فائدہ منصور نہ ہوتا وہاں بھی حدیث کو مقدم کرتے۔ چنانچہ اپنی خلافت کے دوران میں حج کرنے کیواسطے مکہ شریف آئے۔ حجر اسود کا بوسہ لینے کے وقت ارشاد فرمانے لگے۔ اے حجر اسود

میں جانتا ہوں کہ تو ایک محض بے جان پتھر ہے۔ جس سے کوئی نفع یا نقصان متعلق نہیں۔ اگر میں نے نبی علیہ السلام کو بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا۔ تو ہرگز تیرا بوسہ نہ لیتا۔ اکثر مسائل میں حدیث کا علم ہونے کی بناء پر صحابہؓ کے مجمع میں کھڑے ہو کر سوال کرتے۔ کہ اس مسئلہ میں نبی علیہ السلام نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ لہذا جو کچھ بتاتے اس کے مطابق عمل کرتے اور کرلیتے۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اخبار آحاد کو بغیر شاہد کی تائید کے تسلیم نہیں کرتے تھے۔ جب یقین ہوتا کہ یہ مرفوع حدیث ہے۔ تو اس پر عمل پیرا ہوتے۔ لیکن اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگ حدیثیں بیان کرنے میں جری نہ ہو جائیں۔ صحیح اور غلط کا امتیاز اٹھ جائے اور پھر آئندہ امت میں فتنے پیدا ہونے لگیں۔ ان واقعات کے ہوتے ہوئے۔ پھر ان کی طرف انکار حدیث کی نسبت کرنا کسقدر انصاف کا خون اور حق کی پردہ پوشی ہے اس کے علاوہ حدیث کی عدم حجیت پر اصولی اعتراض بھی کرتے ہیں۔ جنکو ہم تفریح دماغ کے لئے مع جواب ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

اہل قرآن کہا کرتے ہیں۔ کہ کسی طویل حدیث کے متعلق ہمارا یقین نہیں کہ یہ واقعی رسول اللہ کے لفظ ہیں یا صحابی نے اپنی عبارت میں رسول اللہ کے مقصد کو بیان کیا ہے۔ دوسری صورت میں ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام کا مقصد و مراد کچھ اور رہا ہو۔ اور صحابیؓ نے کچھ اور سمجھا ہو۔ پس اس فرضی حدیث کو ہم قابل صحت نہیں کہہ سکتے۔ یہ ایک علمی نزاع ہے۔ کہ آیا روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں۔ بعض لوگ ہر طبقہ کیلئے منع بتاتے ہیں۔ جیسا امام مالک کا مذہب ہے۔ اور بعض لوگ صرف حدیث و سنت میں منع جانتے ہیں۔ باقی عبارات میں جائز تاکہ نبی علیہ السلام کی طرف ایسے الفاظ منسوب نہ ہوں۔ جنکو آپ نے ارشاد نہیں فرمایا۔ لیکن محدثین میں سے اکثر اس طرف مائل ہیں۔ کہ جو راوی لطائف و نکات عبارت سے واقف ہو۔ اس کیلئے جائز ہے کہ دوسرے کی عبارت کو اپنے لفظوں میں ادا کردے۔

اکثر حدیثیں ایسی ہیں۔ جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آنکھوں سے حدیث بیان کرتے وقت آنسو بہ جاتے تھے۔ زبان کانپنے لگ جاتی تھی۔ بدن تھرتھرا اٹھتا تھا۔ چہروں کے سرخی مائل رنگ زردی سے بدل جاتے تھے۔ منہ کی تازگی مرجھا جاتی تھی۔ غرضیکہ ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی جو احاطہ تحریر سے بہت بلند ہے۔ اور بعض روایتوں میں تو یہ لفظ موجود ہیں کہ بعض صحابہ باوجود مسائل کے مضامین و عبارات ضبط ہونے کے پھر بھی قصداً حدیث بیان نہیں کرتے تھے تاکہ ہماری زبان سے خدانخواستہ ایسے لفظ نہ نکل جائیں جن کو لسان پاک نے تعبیر نہ کیا ہو۔

مسلمانو! خدارا ذرا انصاف تو کرو ایسی حالت کے ہوتے ہوئے ہم ان کے متعلق ایسے خیالات کریں۔ کہ شاید وہ مضمون نبوی نہ سمجھے ہوں۔ اور اس کو دوسرے لفظوں میں بیان کر دیا ہو۔ یہ سراسر ہماری لاعلمی نہیں تو اور کیا ہے۔ واللہ اس گرد و نواح نے ہمارے دلوں سے صحابہ کی عزت بالکل کافور کردی ورنہ ایسے خیالات رکھنے والے مفتری نہیں تو کیا ہیں۔ اپنی یادداشت اور قوت حافظہ پر قیاس مت کرو۔ صحابہ اور اہل عرب کے حفظ کی قوت کے لحاظ سے اتنی حدیثوں کا محفوظ رکھنا عقل کے نزدیک کچھ مستبعد نہیں۔ آؤ تاریخ خضری جلد اول تاریخ ابن ہشام وغیرہ میں حالات عرب کی اوراق گردانی کرو۔ تمام مورخین رقمطراز ہیں کہ اہل عرب کتابت سے ناآشنا تھے۔ ان کو اپنے دماغوں پر اعتماد ہوا کرتا تھا۔ اسّی اسّی یا سو سو شعر کا قصیدہ ایک مجلس میں سنتے۔ اور پھر ایک دفعہ سننے کے بعد تمام کے تمام اشعار فوراً اسی مجلس میں پڑھ دیا کرتے تھے۔ یہ تھی ان کی ذکاوت و ذہانت

اور حافظہ کی قوت۔ پس ان سے ان متون حدیث کا محفوظ رہنا کوئی انوکھی چیز نہیں۔

پھر موجودہ زمانے میں بھی اکثر مرید ایسے ہیں جن کو اپنے مرشد کے لفظوں پر عبور حاصل ہوتا ہے۔ اور اپنے پیر کی ایک ایک چیز کو محفوظ رکھتے ہیں۔ جب ہماری یہ حالت ہے تو نبی کے پیاروں کی کیا حالت ہوگی۔ واقعات سامنے رکھو اور انصاف سے اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو ؎

پیش کہ برآرم زدستت فریاد ؎ ہم از تو از دست تو مے خواہم داد

اور پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انھوں نے روایت بالمعنی کی، تو اس میں حرج بھی کیا ہے۔ ایک لفظ کی جگہ اسی کے ہم معنی دوسرے لفظ کو بیان کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ تمام علماء امت کا اجماع ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کر سکتے ہیں۔ اور کئے بھی گئے ہیں۔ حتی کہ اہل قرآن بھی حال ہی میں معرض وجود میں آئے۔ اور تمام کے تمام عجمی ہیں۔ اور عرب شریف میں تو دوائی کیلئے بھی ان کا وجود نہیں اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ ترجمہ کرنا ضروری امر ہے۔ پس جب ایک زبان کو دوسری زبان سے بدل سکتے ہیں تو کیا ایک زبان کے الفاظ مترادفہ کو ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں کر سکتے؟ اور بعض کی تفسیر بعض سے نہیں کر سکتے؟ جب وہ جائز ہے۔ تو یہ واجب ہوگا۔ اور پھر خود اہل قرآن باوجود عجمی ہونے کے قرآن مجید کے جو معنی سمجھتے ہیں۔ وہ خدا کی وحی سے بھی بڑھکر سمجھتے ہیں۔ اور ان کے حق اور سچ ہونے پر ان کا یقین کامل ہے۔

تو کیا صحابہ عربی ہو کر رسول عربی کی بات کا مقصد نہیں سمجھ سکتے تھے۔ تعجب ہے کہ اہل قرآن عجمی ہو کر خدا کے کلام کو سمجھ لیں اور صحابہ عربی ہو کر اپنے جیسے عربی کے کلام کو نہ سمجھیں۔

جب ان لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ میں اصول وقوانین کلیہ ہیں۔ تمام مسائل کو تفصیلی طور پر اور اس کی ہیئت ادائیہ کو بیان نہیں کیا گیا۔ تو تم قرآن پر کس طرح عمل کر سکتے ہو۔ تو جواب میں لب کشائی کرتے ہیں کہ کیفیت ادائیہ تواتر عمل سے ثابت ہے یعنی رسول اللہ سے آج تک لوگوں نے عمل کے ادا کرنے کی کیفیت کو ملحوظ رکھا اور اسی طرح آخر تک عمل کے ذریعہ تمام لوگوں تفصیل حالات سے مطلع ہوتے رہیں گے۔ اس جواب کے متعلق مجھے چند شکوک ہیں۔ جبکہ نہ جواب ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔

(۱) رسول اللہ سے لیکر منکرین حدیث کی پیدائش کے زمانہ تک ہر زمانہ میں تمام مسلمان اس بات پر متفق رہے ہیں کہ حدیث وسنت حجت قطعی ہے۔ اس کے خلاف کسی زمانہ میں کوئی نظیر آپ کو نہیں مل سکتی۔ اگر آپ اس تواتر (عملی) کو مانتے ہیں جو مختلف فیہ بھی ہے۔ تو اس تواتر (اعتقادی) کو بھی آپ کو تسلیم کرنا چاہئے۔

(۲) مسلمانوں کے تواتر عملی میں بعض ایسی چیزیں داخل ہو چکی ہیں۔ جو بالکل حرام ہیں۔ مثلاً قبر پرستی کا عام رواج ہے۔ . . . . مجالس میلاد کا قیام عام طور پر ہوتا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ یہ بدعات داخل فی الدین ہیں تو آپ کی غلطی ہے۔ اور اگر آپ ان کو خارج مانیں گے تو کیوں؟ اگر آپ کہیں گے کہ رسول اللہ کے زمانے میں اس کا وجود نہ تھا۔ پس رسول اللہ کے زمانہ میں وجود ہونے یا ہونے کیلئے ہمارے پاس ایک مرقع محفوظ ہونا چاہئے۔ جس میں رسول اللہ کی زندگی کا خاکہ اور جملہ اقوال وافعال مکتوب ہوں۔ تاکہ ہم دیکھکر فیصلہ دیکھیں کہ یہ چیز عہد نبوی میں تھی۔ اور اسی زمانہ رسالت میں فلاں چیز کا وجود تک نہ تھا۔ لہذا آپ کے تواتر عمل کے لائحہ عمل بننے کیلئے سنت نبوی کا ثبوت ماننا ضروری ہے۔ ورنہ

تواتر عمل بدعات کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے۔ اور امتیاز صرف حدیث سے ہی ہو سکتی ہے۔

(۳) تواتر عمل دو قسم کا ہوتا ہے ایک متفق علیہ۔ دوسرا مختلف فیہ۔ قسم اول پر تو وہی اعتراض پڑتا ہے۔ دوسرے قسم کے تواتر میں بہت دقت پیش آتی ہے۔ جیسے فاتحہ خلف الامام یہ ایک تواتر مختلف فیہ۔ بعض کے نزدیک فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ اور بعض کے نزدیک غیر ضروری۔ اب ہم کوئی صحیح رائے بغیر حدیث و سنت کے قائم نہیں کر سکتے۔

(۴) تواتر عمل کا قیامت تک محفوظ رہنا بہت مشکل ہے۔ اتنی بڑی مدت میں صدہا بدعات داخل ہو سکتی ہیں۔ اور بہت سے فرائض خارج ہو سکتے ہیں۔ اس کی حفاظت بغیر حدیث کے نہیں ہو سکتی۔

(۵) اگر سابقہ اعتراضات سے حفاظت ہیں رہے کیواسطے صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین نے نبی کے عمل کی صورت کو عملاً یاد رکھنے کے علاوہ روایتہً اور تحریراً بھی اوراق میں محفوظ کر دیا۔ . . . . تاکہ احادیث صحیحہ کے آئینہ سے نبی اکرم کی صورتِ عمل کو ملاحظہ کر لیں۔ تو اس میں امت پر کسقدر احسان ہے جس سے ہم تمام عمر سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ جزاھم اللہ عنا وعن سائر المسلمین آمین۔

حافظ عبدالرحیم امرتسری

"ترانۂ اختر"

یہ نظم اس وقت لکھی گئی جبکہ میاں صاحب مرحوم کی حرم سرا مع اپنے دونوں پوتوں کے بخیریت تمام فریضۂ حج ادا کر کے مراجعت فرمائے وطن ہوئیں

کونسا مژدۂ جاں بخش صبا لائی ہے — کیسی یہ گوشِ تمنا نے خبر پائی ہے
چشمِ بینا کو یہ کیا چیز نظر آئی ہے — ہر سو کیوں کیف و مسرت کی گھٹا چھائی ہے
"حج" سے آیا ہے کوئی لیکے پیامِ دل خیز — گل و غنچہ کا یہی باعثِ رعنائی ہے
کیوں نہوں گلشنِ ملت کے ہرے برگ و شجر — جب انھیں کعبۂ و یثرب سے شناسائی ہے
ہو مبارک انھیں یہ طوفِ حرم کعبہ! — حج سے آنکی خبر جن کے کہ اب آئی ہے

کیوں خوشی تجھکو نہ ہو اخترِ تابندہ سخن
جب خبر کعبہ و یثرب کی صبا لائی ہے

محمد عبدالشکور اختر گیاوی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی